خورشید احمد ندیم

امریکا سے نفرت یا۔۔۔۔؟

غالب نے سچ کہا ہے کہ انسان بلاشبہ پیالہ وساغر نہیں ہوتا۔ دکھ پہنچے تو اس کی آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔ ظلم اسے مشتعل کرتا اور غصہ دلاتا ہے۔ مصائب میں وہ مضطرب ہوتا ہے اور جبر حد سے بڑھ جائے تو اس کے لیے نا قابلِ برداشت ہو جاتا ہے۔ ہم مسلمان بھی آدم کی اولاد ہیں۔ آنسو، اضطراب اور غصہ ہماری سرشت میں بھی شامل ہیں۔ مصیبت اور غم میں، ہم سے وہی توقع ہونی چاہیے جو آدم وحوا کی باقی اولاد سے کی جاتی ہے۔ تاہم مسلمان ہونے کے ، ناتے لازم ہے کہ دکھ اور تکلیف کے ہر لمحے میں ہم اپنے پروردگار کی طرف رجوع کریں۔ اس رجوع کا ایک پہلو مابعدالطبیعیاتی ہے۔ دعا واستغفار اور رکوع وسجود اس کے وہ مظاہر ہیں جن سے ہم اللہ کی رحمت اور نصرت کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ دوسرا پہلو مادی اور طبیعیاتی ہے۔ اللہ نے یہ دنیا جن اصولوں پر قائم کی ہے۔ انھیں وہ اپنی سنت کہتا ہے جو کبھی تبدیل نہیں ہوتی۔ اس کا کہنا یہی ہے کہ غم وغصے کے عالم میں کسی ردِعمل کا اظہار کرتے وقت اللہ کی اس سنت کو پیشِ نظر رکھا جائے۔ یہ مسلم اور غیر مسلم، مرد اور عورت، اللہ کو ماننے والے اور اس کا انکار کرنے والے، سب کے لیے ایک ہی ہے۔ اس لیے مسلمانوں پر بطور خاص لازم ہے کہ وہ ایسی کیفیت میں اللہ کی سنت کو سمجھیں اور اس کی روشنی میں کسی ردِعمل کا اظہار کریں۔

امریکا کے خلاف مسلمانوں کا غصہ قابلِ فہم ہے۔ مشرقِ وسطیٰ میں اسرائیل کی غیر مشروط حمایت اور ماضی قریب میں عراق پر حملے سے لے کر پاکستانی سرزمین پر ڈرون حملوں تک، اس کے بے شمار اقدامات ایسے ہیں جن کا کوئی اخلاقی اور قانونی جواز نہیں۔ اس کے نتیجے میں جس طرح ہمارے بے گناہ بہن بھائی اور بچے موت کی وادی میں اتر گئے، اس پر اگر ہمیں غصہ آتا ہے تو یہ ایسی بات نہیں جو سمجھ میں نہ آسکے۔ لیکن کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ کہ ہم غصے میں دیوار سے ٹکرا کر خود کو زخمی کر لیں؟ کیا ہم مقابلہ کرتے وقت اس سنتِ الٰہی کو نظر انداز کر دیں جس کے مطابق یہ

معاملات رونما ہوتے ہیں؟ میرا خیال ہے کہ یہ سوالات اس وقت ہماری سنجیدہ توجہ چاہتے ہیں۔ عراق افغانستان اوراب پاکستان کی حالت زار دیکھ کر بھی اگر ہم میں سنجیدگی نہیں آئی تو پھر اس سے بڑی بدقسمتی کوئی اور نہیں ہوسکتی۔ میں نے اس تحریر میں انھی سوالات کے جوابات تلاش کرنے کی سعی کی ہے۔

امریکا اس وقت دنیا کی واحد عالمی قوت ہے۔ اس بات کا اعتراف بزدلی ہے نہ مرعوبیت۔ دنیا میں آج تک کوئی فاتح قوم ایسی نہیں گزری جس نے معرکہ آرائی سے پہلے مدِ مقابل کی قوت کا صحیح اندازہ نہ کیا ہو۔ واحد عالمی قوت ہونے کا ایک مفہوم ہے۔ امریکا کو یہ حیثیت اس وقت حاصل ہوئی، جب اس نے عسکری، سیاسی، معاشی اور تہذیبی اعتبار سے دنیا پر اپنی برتری ثابت کردی۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد اس کے بے شمار شواہد تاریخ کی کتابوں اور دنیا کے نقشے پر بکھرے ہوئے ہیں۔ سیاسی اعتبار سے اس نے ایک سے زائد مرتبہ ساری دنیا کو امریکی جھنڈے تلے متحد کیا۔ تہذیبی حوالے سے امریکا اس وقت مذہبی رواداری اور جمہوری اقدار کی پاسداری کے لیے معروف ہے۔ اس کی عسکری قوت کا یہ عالم ہے کہ چین کا دفاعی بجٹ پینٹا گان کے بجٹ کے مساوی ہے۔ ۲۰۰۹ میں دیے جانے والے تیرہ نوبل انعامات میں سے نو امریکا کو ملے۔ ایجادات میں وہ سرِفہرست ہے۔ اسی طرح بحرانوں کے باوجود آج بھی امریکا دنیا کی سب سے بڑی معیشت ہے۔ ورلڈ اکنامک فورم اسے اب بھی دنیا کی سب سے بڑی مسابقتی معیشت (The most competitive economy) قرار دیتا ہے۔

اس کا یہ مفہوم کسی طرح نہیں ہے کہ اس میں مادی اعتبار سے کمزوریاں نہیں ہیں یا وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔ ویتنام سے لے کر افغانستان تک اس کی ناکامیوں کی ایک طویل داستان ہے۔ تاہم ایسی کوئی ناکامی اس کی عالمی حیثیت کو متاثر نہیں کرسکی۔ اس کا سبب کیا ہے؟

ہم اس سوال پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وقت کے ساتھ تمام میدانوں میں اس نے اپنی برتری قائم رکھی۔ قوت کی یہ نفسیات ہے کہ وہ نہ صرف خود کو برقرار رکھنا چاہتی ہے بلکہ اس میں اضافے کی بھی متمنی رہتی ہے۔ اس خواہش سے توسیع پسندی اور غلبے کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔ اسی کا ایک مظہر یہ ہے کہ وہ اس خطرے کا بھی سدِ باب کرتی ہے جو محض امکانی سطح پر موجود ہوتا ہے۔ وہ دنیا کے ان وسائل پر بھی قابض ہونا چاہتی ہے جو کسی بھی لمحے اس کے خلاف استعمال ہوسکتے ہیں۔ انسان کی معلوم تاریخ بتاتی ہے کہ ہر عالمی قوت یہی کرتی رہی ہے اور آج امریکا بھی کسی طرح پہلی عالمی قوتوں سے مختلف نہیں۔ کل وہ سوویت یونین کو خطرہ سمجھتا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ عالمی قوت دنیا کے نقشے سے محو کردی گئی۔ آج ایک طرف مشرقِ وسطیٰ کے وسائل پر اس کی نظر ہے اور دوسری طرف وہ اس

عسکریت پسندی سے خطرہ محسوس کرتا ہے جو القاعدہ وغیرہ کے زیرِعنوان متحرک ہے۔ امریکا کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اسلام بطورِ مذہب اس کا ہدف نہیں ہے۔ تاہم اس کی کوئی تعبیر اگر ایسی ہے جو امریکا کے لیے چیلنج بن سکتی ہے تو پھر وہ اشتراکیت کی طرح اس کو بھی ختم کرنا چاہتا ہے۔

اس وقت چین اور یورپ کے بے شمار ممالک امریکا کی اس توسیع پسندی سے نالاں ہیں۔ وہ اس کی غیر اخلاقی عالمی حیثیت کو دل سے تسلیم نہیں کرتے، لیکن ان میں سے کوئی اس کے ساتھ تصادم کی راہ پر چلنے کے لیے تیار نہیں۔ سب اپنی تعمیر میں مصروف ہیں اور وہ اس دن کے انتظار میں ہیں جب وہ معاشی، سیاسی اور عسکری اعتبار سے اس قابل ہو جائیں کہ امریکا کے ساتھ برابری کی سطح پر معاملہ کر سکیں۔ وہ جس دن یہ مقام حاصل کر لیں گے، فطری اصول کے مطابق طاقت کا توازن تبدیل ہو جائے گا۔ یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ اب طاقت کا ایک مرکز نہیں رہا۔ معیشت اپنی جگہ مرکز ہے، عسکری قوت اپنی جگہ مرکز ہے۔ لازم نہیں کہ یہ سب مراکز ایک جگہ ہوں۔ جس دن بین الاقوامی منڈی میں ڈالر کی مرکزیت ختم ہو جائے گی، دنیا میں امریکا کی معاشی برتری کم ہونا شروع ہو جائے گی اور اس کے آثار دکھائی دے رہے ہیں۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

دنیا کی یہ ساری قوتیں چارو ناچار اسی سنتِ الٰہی کا اتباع کر رہی ہیں جو مادی دنیا میں جاری ہے، البتہ وہ اسے قانونِ فطرت (Law of Nature) کہتے ہیں۔ اگر ہم دنیا میں عزت سے جینا چاہتے ہیں تو ہمارے پاس بھی اس راستے کو اپنانے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی ساری قوت مادی تعمیر پر صرف کر ڈالیں۔ آج چین، جاپان اور جرمنی سمیت بے شمار ممالک اسی سمت میں آگے بڑھ رہے ہیں۔ یہ اگرچہ امریکا کی خواہش کے برعکس ہے لیکن قانونِ فطرت کے عین مطابق ہے۔ یہ قانون بتاتا ہے کہ اس دنیا میں کوئی قوت قادرِ مطلق نہیں اور جو مثبت طرزِ عمل اختیار کرتا ہے وہ لازماً آگے بڑھتا ہے۔ دوسری جنگِ عظیم میں جاپان کو جس ذلت کا سامنا کرنا پڑا، ماضی قریب میں اس کی کوئی مثال موجود نہیں لیکن آج دنیا کے معاشی فیصلے جاپان کی مرضی کے بغیر نہیں ہو سکتے۔ ہمارے لیے بھی یہی راستہ ہے۔ ہم اگر اس پر چل نکلیں تو امریکا سمیت کوئی بھی ہمیں نہیں روک سکتا۔ اس کے لیے چند کام ناگزیر ہیں۔

۱۔ ماؤ نے چینی قوم کو یہ پیغام دیا تھا کہ اپنی کمزوری کو اپنی طاقت میں بدل دو۔ ہمیں بھی یہی کرنا ہے۔ ہم اپنا غصہ توانائی میں تبدیل کر ڈالیں جو ہماری تعمیر کا باعث بن جائے۔ یہ سفر علم سے شروع ہو گا اور اس کا ظہور معیشت، معاشرت اور سیاست سمیت ہر شعبۂ زندگی میں ہو گا۔

۲۔ہم یہ طے کرلیں کہ ہم نے ہر قیمت پر امن خریدنا ہے۔ یہ امن بعض اوقات کمزور کو یک طرفہ اور غیر منصفانہ بنیادوں پر ملتا ہے۔ہمیں اس کے لیے بھی تیار ہو جانا چاہیے۔لوگ عزت، حمیت جیسے الفاظ سے ہمیں اشتعال دلائیں گے لیکن ہمیں اپنی سماعتوں کو ان آوازوں سے دور رکھنا ہے۔ دیوار سے سر پھوڑنے کو دنیا کی کسی لغت اور تاریخ میں غیرت یا حمیت نہیں کہا گیا۔

۳۔کوئی ہمیں تصادم میں الجھانا چاہے تو چین کی طرح ہمیں اس سے گریز کرتے ہوئے ساری توانائی اپنی تعمیر پر لگانا ہوگی۔

۴۔جو قوم داخلی سطح پر اخلاقی پستی میں مبتلا ہو وہ کسی بڑے خارجی چیلنج کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔سماجی اخلاقیات کے باب میں ہمیں اپنی تعمیر پر خصوصی توجہ دینی ہے۔ناپ تول میں صحت، معاملات میں اجلا پن، حفظِ مراتب، رواداری، برداشت، ان سب اقدار کے حوالے سے ہمیں خود کو مثالی سطح پر لے جانا ہوگا۔

یہ اہداف کسی سیاسی تبدیلی سے نہیں، سماجی انقلاب سے حاصل ہوں گے۔اس کے لیے کسی فردِ واحد کا انتظار یا کسی سیاسی راہنما سے توقعات باندھنا عبث ہے۔آج ضرورت ہے کہ ہماری اجتماعی بصیرت کام آئے۔لوگ اپنی صلاحیت اور افتادِ طبع کے ساتھ مختلف میدانوں میں سرگرمِ عمل ہوں۔ان کی مشترکہ کوششوں سے انشا اللہ وہ تبدیلی آئے گی جس کے بعد کوئی ہم پر ظلم نہیں کر سکے گا اور ہم اپنے وقار کا بہتر دفاع کرسکیں گے۔ یہ سچ ہے کہ انسان پیالہ و ساغر نہیں ہوتا لیکن حکمت اسی کی گم شدہ میراث ہے۔آج ہمیں وہ حکمت چاہیے جو امریکا کے خلاف ہماری نفرت کو ایک تعمیری قوت میں بدل ڈالے۔تبدیلی کا واحد راستہ تعمیر ہے۔ہمیں اپنے غصے کو تھامنا ہے۔ہمیں اپنے غم کو اپنی طاقت بنانا ہے۔قانونِ فطرت کے مطابق، پھر ہمارا راستہ کوئی نہیں روک سکتا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org